

آصف ہمایوں کی نثری نظم

ساجدہ شفاعت

ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

خضرا تبسم، پی ایچ ڈی

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

Prose Poetry of Asif Hamayun

Sajida Shafait

PhD Research Scholar Urdu

Lahore College for Women University, Lahore

Khizra Tabassum, PhD

Assistant Professor of Urdu

Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

Asif Humayun is one of the important poets of the present era. His poetry carries a deep intellectual depth within it but his credible reference is prose poem. In his view, compared to the ghazal, nazm holds much wider possibilities. His prose poems beautifully reflect not only an individual's inner turmoil, but also the cultural, social, political and intellectual condition of his era. His poems play the role of a ray of hope amidst despair.

Keywords:

Asif Humayun, prose poem, ghazal, nazm political and intellectual condition.

آصف ہمایوں عہد حاضر کے ایک بالغ نظر اور صاحبِ علم شاعر ہیں۔ شعر و ادب سے ان کی دلچسپی طالب علمی کے ابتدائی دور ہی سے قائم ہو گئی تھی۔ جب وہ پہلے پہل اقبال اور ان کی شاعری سے روشناس ہوئے اور "بانگ درا" کا مطالعہ شروع کیا یہیں سے ان کے دل میں شاعری سے لگاؤ پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ثمر دار درخت بن گیا۔ آصف ہمایوں کی شاعری ہر دو اصناف، نظم اور غزل میں اپنا سلسلہ کلاسیکی روایت سے جوڑتی ہے خاص طور پر غزل کے حوالے سے یہ روایت ان کی شاعری میں ایسے شامل ہو جاتی ہے جیسے بہتے ہوئے دریا کا دھارا کسی وسیع اور پھیلے ہوئے سمندر کا حصہ بن جائے۔ آصف ہمایوں نے اپنی شاعری میں، ذات سے اٹھ کر کائنات کے آفاق کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ وہ نظر کی وسعت اور سفر کی ہمت کی دعا مانگ کر اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں، اور تنگنائے سے سے گزرتے ہوئے کھلی اور کشادہ فضا میں جا نکلے ہیں جہاں فطرت اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتی نظر آتی ہے۔ آصف ہمایوں کی شاعری کا تجزیہ کرنے والوں نے اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لی ہے کہ فطرت اور گرد و پیش سے اخذ کی ہوئی مثالوں کے سبب ان کی نظموں اور غزلوں میں ایک طرح کی کشادگی کا احساس ہوتا ہے ہر نیا کھلنے والا پھول بظاہر یکساں دکھائی دیتے ہوئے بھی دوسرے تمام پھولوں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہی کیفیت ہمیں آصف ہمایوں کی شاعری میں محسوس ہوتی ہے۔ زبان سے تخلیقی اور ادبی تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ زبان ایک اجتماعی وسیلہ اظہار ہے۔ لفظ مسلسل استعمال ہوتے رہتے ہیں تو آہستہ آہستہ اپنی تازگی اور شگفتگی سے محروم ہونے لگتے ہیں لیکن ایک بڑے شاعر کے دستِ ہنر شناس کا معجزہ ہے کہ وہ ماند پڑتے ہوئے لفظوں کو اپنے لمس سے ایک نئی تازگی اور تاب و توانائی عطا کر دیتا ہے اور مرتے ہوئے لفظ دوبارہ زندہ ہو کر کلام کرنے لگتے ہیں اور نئے لبادے میں نئی زندگی پاتے ہیں۔ لفظ کی حقیقی معنویت شاعری سے اجاگر ہوتی ہے۔ آصف ہمایوں کی معجزہ گری ہے کہ وہ لفظوں کو اس طرح محسوس کر کے جزو شعر بنائے ہیں کہ وہ ایک نئے جہان کی طرف نئے روزن کھول دیتے ہیں۔ قاری پر ایک ایسا جہان منکشف ہوتا ہے جو اس سے پہلے نہ تو اس نے دیکھا ہوتا ہے اور نہ اس کے درمیان میں ہوتا ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے اور مثالوں کے حوالے سے ایک نئی دنیا آباد کرتے ہیں اور یہ سارا تخلیقی عمل ان کی ذات سے جنم لیتا اور ان کے لاشعور کا حصہ ہوتا ہے شعر لکھتے ہیں تو رنگوں سے آراستہ تصویریں وجود میں آنے لگتی ہیں اور قاری کو ایسے ایسے منظر دکھاتی ہیں جو اسے حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ آصف ہمایوں کی نظموں پر مشتمل کتاب "گیلی لکڑیاں جلانے کے دن"، ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ جس میں ایسی نظمیں موجود ہیں۔ جو ان کے

"پیارے!"

شیشم کے پڑتے ننگی زمین پر

ماں جانی ہمارا ہاتھ تھا مے

اور ہم کتاب کے کالے حرفوں سے

الف سے انار کی تکرار کرنے لگتے

اطمینان کی ایک لہر سی دوڑ جاتی

ایک ثانیے کے لیے نمودار ہو جاتا

(الف سے انار") (۱)

کی منظر نگاری اپنی انتہا کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے:

"پیارے !

ویران گلیوں میں ہم گھومتے پرانے تالاب کی سیڑھیاں اترتے سورج کی کرنوں، اپنے ساتھ

کم کم یانی میں اترتے ہوئے دیکھتے۔ قرب و جوار کا جھنکار، تتلیوں، اور بھونروں کی آنکھ مچولی،

جنگلی پھولوں کا فسوں، کوئی نادیدہ منزل ہمیں اپنی جانب بلاتی رہتی۔۔۔۔۔

ہمارے سر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے

پھر دیکھتے ہی دیکھتے -----

ایک دوسرے کے لیے

ہمیشہ کے لیے " (۳) (کالا گلاب)

آصف ہمایوں نے غزل میں نام پیدا کرنے کے باوجود نثری نظم کو ایک پیرایہ بیان کے طور پر اختیار کیا ہے تو اس کا باقاعدہ جواز موجود ہے ان کی طرح اور بھی شعرا نے نثری نظم میں بیان کی سہولت اور وسعت اظہار سے استفادہ کیا ہے مثلاً ثروت حسین کا شمار جدید عمدہ غزل نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے جدید اردو غزل میں ایک نئے طرز احساس کی بنیاد رکھی۔ اس کے باوجود انھوں نے نثری نظمیں لکھیں جن میں اپنی داخلی کیفیات کو تمثالوں اور استعاروں کے ساتھ، منفرد اور اچھوتے اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح افضال احمد سید نے غزل کا باکمال شاعر ہوتے ہوئے نثری نظم سے وابستگی اختیار کی اور اسے اعتبار اور استحکام بخشا۔ یہ آصف ہمایوں کے ہم عصر شعرا ہیں جنہوں نے غزل گوئی کے ساتھ ساتھ نثری نظم کا راستہ اختیار کیا۔ ان شعرا کا تعلق ستر کی دہائی سے ہے۔ آصف ہمایوں ان سے ذرا بعد منظر عام پر آئے انھوں نے بھی اپنے پیش رو شاعروں کی طرح معاشرے کے اس فرد کی زندگی کو موضوع بنایا ہے جو اپنے ارد گرد منڈلاتے ہوئے مادی آلائشوں کے سیلاب میں کسی تنکے کی طرح بہتے ہوئے بالآخر زندگی کی تمام رنگینیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایسے معاشرے میں جن کی بنیاد مادیت پرستی اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم پر لکھی جاتی ہے، رفتہ رفتہ ایک ایسے کھوکھلے پن کا شکار ہو جاتے ہیں کہ فرد کا فرد سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے اور ہر انسان اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر گھٹن، خوف اور افسردگی کا اسیر ہو جاتا ہے۔ آصف ہمایوں بھی اپنی نثری نظم میں اپنے عصری تناظر سے جڑے ہوئے ہیں:

" یہ جو اونچی نیچی زمین ہے

یہ جو ڈھیریاں سی ہیں خاک کی

یہاں ایک جیسی حقیقتوں میں چھپا ہوا

کسی آشنائی کا راز ہے

یہاں آنکھ ہے، یہاں اٹنک ہے

یہاں ابرو باد کے ساتھ ساتھ

ابھی آگ ہے

ابھی ہجر ہے

ابھی وصل ہے

یہاں کون ہے

یہاں کون ہے" (۴) (یہاں کون ہے)

ان کی بیشتر نظمیں اس اجتماعی آشوب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جس میں فرد کی ذات ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھر رہی ہے۔ اس کا داخلی کرب ان مخدوش حالات کا نتیجہ ہے جو انسان کو انسانیت کی سطح سے گرا کر اسے مٹی میں ملا رہے ہیں اور اس کی بہیمانہ خصلت اپنے نوکیلے پنچے نکال کر اپنے ہی جیسے انسانوں کو لہو لہان کر رہی ہے یہ نظمیں جہاں روحانی اور اخلاقی اقدار کی پامالی کا منظر دکھاتی ہیں وہاں اس معاشرے اور اس کی تہذیب کا مکروہ چہرہ بھی سامنے لاتی ہیں۔ ایسے مادی معاشروں میں جہاں حساس ذہن رکھنے والا ہر انسان اپنے وجود کی کم مائیگی پر نوحہ کننا ہو کر ایک ایسے داخلی کرب سے ہم کنار ہو جاتا ہے کہ ہر گزرتا لمحہ اس کی ذات کے بکھراؤ کا اعلامیہ بن جاتا ہے اور عدم تحفظ کا ایک شدید احساس ہر وقت اسے اپنے گھیرے میں لیے رکھتا ہے۔ آصف ہمایوں اپنی نظموں میں اپنے ذاتی دکھوں اور کیفیتوں ہی کو مجسم نہیں کرتے بلکہ اس خاص عصر کی حسیّت کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ہماری طبقاتی اور سماجی اقدار کی انہدام پذیری کا نتیجہ ہے:

"اپنے گھر کے دروازے پر دستک دوں

لیکن پھر یہ سوچتا ہوں

کون در بچہ کھولے گا اب

کون گلی کی تاریکی سے پوچھے گا اب

کون آیا ہے" (۵) (ماں کی وفات پر)

ان کی نظمیں ان کے آدرشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہیں اور اپنے عہد کی تہذیبی، سماجی، سیاسی اور فکری صورتِ حال کی عکاس بن جاتی ہیں۔ انھوں نے جہاں معاشرے کے کرب آمیز المیوں کو بیان کیا ہے وہاں محبت کے احساس کو شامل کر کے خوش رنگ کیفیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

"اپنی تھکن کے عمروں لیے رستے پر

کب یہ چاہا

ہم کو بھی تو منزل دے

پالنے والے!

ہم نے تو بس اتنا چاہا

ہم کو نظر کی وسعت دے کر

اور سفر کی ہمت دے" (۶) (دعا)

آصف ہمایوں کی شاعری وجود کی مختلف سطحوں کے تئیں خوبصورت مناظر اور معنی خیز ذہنی زاویے پیدا کرنے میں اس لیے بھی کامیاب رہی ہے کہ اس میں مرکزی نکتہ فطرت اور انسان سے ان کا غیر مشروط تعلق ہے وہ کوئی بھی موضوع لے آئیں، ان کے یہاں جہانِ ادراک کی تشکیل نو میں انسان فہمی اور انسان دوستی کا سب سے اہم مقام ہے۔ وہ ایک کشادہ دل اور کھلا ذہن رکھنے والے شاعر کے طور پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ایک ایسے روشن خیال شاعر کے روپ میں، جو جبر اور ظلم اور یکسانیت کے ماحول کو بدل دینے کی تمنا دل میں پالتا رہتا ہے اور اسے لفظوں کی زبان دیتا رہتا ہے۔ آصف ہمایوں اپنے محسوسات اور مسائل و معاملات کا اظہار خوبصورت ترکیب سے مزین تمثیلوں میں کرتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک تمثال گر ہیں۔ ان کی شعری تصویریں قاری کی جمالیاتی حس کو چھو کر اس کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا باعث بنتی ہیں۔ تصویر کاری کے اس عمل میں استعاروں، کنایوں اور تلازموں کی کار فرمائی نمایاں نظر آتی ہے۔

"دل مضطر! کچھ اس طرح سے ہے

منزلوں اور مسافتوں کے بیچ

دوستوں کا سفر ادھورا ہے

دشمنوں کا سفر ادھورا ہے

وحدتوں کے سفر کو نکلے تھے

کیا ہوا وہ طواف کا موسم

میکدے کی طرف سے گزریں تو

میکدے کی نشستِ آخر میں

ایک خالی ایان ملتا ہے

جو ترے نام سے سلامت تھا

جو ترے نام سے بھرا تھا کبھی

حیرتوں کے جہان بے اسباب
دل کا پتھر چٹ رہا ہے اب
موم پگھلے تو کالی رات کٹے
حرف اترے تو کوئی بات بنے
حرف اترے زمین پر وحدت کا
حرف اترے بس اک محبت کا
سوچتا ہوں کہ کاش ایسا ہو
کل کے سورج سے روشنی کا نظام
اک نئی سوچ لے کے آجائے
میں تراہتا تھا ملوں پھر سے
تو میرا ہاتھ تھام لے پھر سے" (۷)

(لا نفرق بین احد)

آصف ہمایوں کی نظم ان کے آدرشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہے اور وہ فکر و فن کے تال میل سے اثر خیر اور فکر انگیز نظمیں تخلیق کرتے چلے جاتے ہیں۔ آصف ہمایوں کی شاعری کے اہم نقاد اور "ہر پہر کے آسمان" کے دیباچہ نگار آفتاب اقبال شمیم لکھتے ہیں:

"آصف ہمایوں کی بیشتر نظموں میں کسی ذاتی غم، کسی ملال، کسی قلبی واردات کی سرایت اتنی گہری ہے کہ جہاں حسن فطرت کی رعنائیوں کا تذکرہ ہو رہا ہو، وہاں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے وہ اس ذاتی غم کو علیحدہ موضوع کی شکل نہیں دیتا۔ جدید شاعری کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اشارے کنائے میں وہ اس غم کا ذکر کرتا ہے لیکن خود پر اسے حاوی نہیں ہونے دیتا بلکہ یہ ذاتی تجربہ اس تخلیقی توانائی کی نمو کا موجب بنتا ہے جو اُسے اپنے عصر کے غموں میں جینا سیکھاتی ہے" (۸)

آصف ہمایوں کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانی صورت حال کے پس منظر میں جھانکتے ہوئے آس اور یاس کے منظر نامے میں حسن فطرت اور اپنی داخلی سچائی کو اپنے شعری سفر میں قدم بہ قدم اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بقول آفتاب اقبال شمیم:

"اپنے آئیڈیلز پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر زندگی کی اثبات کرتا نظر آتا ہے۔ وہ تہذیب غم کی مملکت کا آدمی ہے اور پاس کے انتہائی کڑے مرحلے میں بھی زندگی کے اقرار سے دست کش نہیں ہوتا" (۹)

آصف ہمایوں کے دیباچہ نگار آفتاب اقبال شمیم نے نہایت بر محل اور درست لکھا ہے کہ:
"جب ہم اس (آصف ہمایوں) کے ساتھ سفر میں آگے چلتے ہیں تو کھلتا ہے کہ اس کا زخم
آگہی تو بڑا کارِ فو ماگتا ہے اور محض وسعت نظر کی وسعت کا تار اس زخم کو سینے کے لیے کافی
ہے۔ وجہ یہ کہ مادہ سفر میں ہم اس پر ایسی نظمیں بھی وارد ہوتی ہیں جن میں وہ نظر کی
وسعت کو ماہ بعد کی وسعت سے جوڑ کر زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے" (۱۰)
"مسافر!"

ابھی زرد ہیں اپنی سانسیں
گزارے ہوئے دن کی اڑتی ہوئی گرد میں
تھکی آنکھ کے بیکراں دشت میں
آئی ہیں زمینیں خس و خوار سے
مسافت عجب ہے

صدادے رہی ہے
پتادے رہی ہے
اُسی سمت بے سمت کا

گیاہے جس کی جانب کوئی کارواں

جدھر سے ابھی آ رہا ہے کوئی کارواں" (۱۱) (اکائی اور کثرت کے سفر میں)

گویا ایک ساعت موعودہ یعنی قرب قیامت کے آثار ہیں۔ یہاں آصف ہمایوں ایک ایسے شاعر
کے روپ میں سامنے آتے ہیں جو لاشعوری طور پر مالکِ کائنات سے ایک سری رابطے سے منسلک ہیں۔
آصف ہمایوں کے یہاں غم راکھ میں دبی ہوئی چنگاڑی کی صورت نظر آتا ہے وہ غم کو سینے میں چھپا کر اُسے غم
پنہاں کی صورت دیتے ہیں اور سامان مہیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے درد پنہاں کو زمین کی عام سطح سے اٹھ کر کسی
رفعت مقام پر منکشف کرتے ہیں اور اس کے اظہار کی ایک مابعد الطبیعیاتی سطح تشکیل دیتے ہیں۔ آصف
ہمایوں کے سامنے زندگی تسلسل کی مانند غم بھی مسلسل نظام ہے۔ یہ ایک ایسا غبار ہے جو نظر کو دھندلا کر
بانجھ سفر کی لمبی راہ پر ہونے والا ایک تماشا "بن جاتا ہے۔"

"دیکھو نا !

یہ کیسے رشتے ناطے اپنی آنکھوں کے گرداب میں

دھول ہوئی سی عمروں کے بن بانس میں جو

آتی جاتی سانسوں کی کچھ مہلت تک

اپنی ہی بے مہر نظر میں زندہ ہیں

اُجلے دن کا کالا پانی

کالی رات کا اُجالا سپنا

بانجھ سفر کی لمبی راہ پر ہونے والا ایک تماشا

ویراں آسی کی گود ہری ہو

لیکن کیسے !

رشتوں کی پہچان کا موسم بہت رہا ہے

خود کو بھولتے رہنے کا اک مرض پرانا

اپنی باری جیت رہا ہے" (۱۲) (آئینہ اور غبار)

آصف ہمایوں کے ایک تحقیق نگار ریاض احمد لکھتے ہیں:

"جب خوبصورت رشتوں کا تانا بانا بکھرنے لگتا ہے تو کالی رات چھا جاتی ہے اور سب تمنائیں،

امیدیں اور خوشیاں مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

جب کہ زمینی حقائق کے مطابق یہ رشتے اب عالم نزع میں ہیں۔ زندگی کا یہ سفر اب بے اثر

ہو گیا ہے۔ اس سفر کی کوکھ سے اب کوئی شہنائی جنم نہیں لے گی۔ امید بال کھولے راہ

حیات پر ہر اسال ہے۔ اب یہ شاخ ہری ہونے کی نہیں رہی کوئی کسی کو پہچاننے کا روادار

نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں خود فراموشی ہی وجود میں آتی ہے۔ رشتوں کا

آئینہ اندھا ہو گیا، غبار سے اٹ گیا۔ اب کوئی امید نظر نہیں آتی کہ حقیقت نظارہ بحال ہو

سکے۔ آئینہ اور غبار اپنی مخصوص علامتی پنہائیوں کے ساتھ آصف کے poetic

Diction کی فکری اساس کے مظاہرین گئے ہیں" (۱۳)

آصف ہمایوں کی نظموں کے عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُن کی

اکثر نظمیں ان کی اپنی زندگی کے ماہ و سال کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کی گرفت میں آکر ہمارے احساس

کو ہولے ہولے چھوتے ہیں۔ معصوم، کم سن اور اٹھتی جوانیاں وہ گیلی لکڑیاں ہیں جنہیں حزن والالم کی آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ان گیلی لکڑیوں سے نکلنے والا دھواں آنکھوں میں چھنے لگتا ہے اور شدید اذیت سے دوچار کرتا ہے:

"ہم نے ٹوٹے ہوئے تارے کی روشنی میں آنکھیں کھولیں
وقت کی بے ثمر بارشوں میں
اپنی فکر کے پیڑوں سے گرے ہو پر
ننگے پاؤں چلنا سیکھا۔۔۔۔۔"

ہم نے پروں سے سفر کا کاٹے پٹے
یاد ہے ہم نے تم سے پوچھا تھا
آشاکے سُرخ کنگن

تم نے کہاں چھپا کر رکھے ہیں "۱۴" (گیلی لکڑیاں جلانے کے دن)

آصف ہمایوں کی شاعری کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل کے مقابلے میں ان کے لیے نظم زیادہ وسیع امکانات رکھتی ہے۔ وہ جو غالب نے کہا تھا کہ "کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے" تو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ غزل میں بخور اور اوزان کی پابندی اور ردیف قافیے کی قید شاعر کو بیان کی وسعت سے روکتی ہے۔ چنانچہ اس کے یہاں خیال کا اُمنڈتا ہوا طوفان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہنیت کی حدود و قیود سے آزاد ہو کر اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بیان کر سکے۔ اسی لیے وہ غزل کہتے کہتے نظم کے دائرے میں آگئے اور آزاد نظم میں طبع آزمائی کرنے لگے لیکن آزاد نظم میں بھی چونکہ شاعر وزن اور بحر کا پابند ہوتا ہے۔ صرف قافیے اور ردیف سے آزاد ہوتا ہے، اس لیے آزاد نظم کہتے ہوئے بھی آصف ہمایوں نے یہ محسوس کیا کہ ابھی تک وہ ان قیود سے آزاد نہیں ہوئے کہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اس لیے وہ نثری نظم کی طرف رجوع ہوئے۔ نثری نظم میں انھیں وہ آزادی میسر آگئی جس کی وہ خواہش رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنا دوسرا شعری مجموعہ ہی نثری نظم کے لیے وقف کر دیا اور اس میں پہلے مجموعے کی چوالیس آزاد نظموں کے مقابلے میں پچھتر نثری نظمیں شامل کر کے نہ صرف اظہار و ابلاغ کے سلسلے میں اپنی آزادی کا اعلان کیا بلکہ اس بات کو بھی ثابت کیا کہ شاعر آزادی اظہار کے لیے ہمیشہ نئے امکانات کی تلاش میں رہتا ہے۔

آصف ہمایوں کو نثری نظم نے ایک نئے تجربے سے آشنا کیا ہے۔ ایک تو انھیں اظہار کی آزادی میسر آئی اور اپنی بات کہنے کے لیے ایک وسیع کینوس دستیاب ہوا ہے۔ دوسرا انھیں اپنے انھیں اپنے قارئین کا ایک وسیع حلقہ میسر آیا اور انہیں علاقائی سطح سے نکل کر بین الاقوامی سطح تک پزیرائی حاصل ہوئی۔ تیسرے اس تجربے نے انھیں نئے اظہار کی زبان تشکیل دینے میں مدد فراہم کی ہے نیز بین الاقوامی شعر و ادب کے تراجم کے لیے اپنے آپ کو بہتر ثابت کیا ہے۔



حوالے

- (۱) آصف ہمایوں، گیلی لکڑیاں جلانے کے دن، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۳۲، ۳۳۔
- (۲) ایضاً، ۲۹۔
- (۳) ایضاً، ۲۹۔
- (۴) آصف ہمایوں، ہر پہر کا آسمان، (لاہور، عفت پبلی کیشنز: ۲۰۱۳ء)، ۱۲۳۔
- (۵) ایضاً، ۸۔ (۶) ایضاً، ۱۴۔ (۷) ایضاً، ۱۳۱، ۱۳۲۔
- (۸) آفتاب شمیم، عصریت سے لامتناہیت تک مشمولہ ہر پہر کا آسمان، ۵۔
- (۹) ایضاً، ۶۔
- (۱۰) ایضاً، ۴۔
- (۱۱) آصف ہمایوں، ہر پہر کا آسمان، ۳۶، ۳۵۔
- (۱۲) ایضاً، ۲۰۔
- (۱۳) ریاض احمد، آصف ہمایوں، شخصیت و فن، مقالہ ایم فل اردو (غیر مطبوعہ)، لاہور، منہاج یونیورسٹی ۲۰۱۷ء، ۴۴۔
- (۱۴) آصف ہمایوں، گیلی لکڑیاں جلانے کے دن، ۲۸، ۲۷۔

Bibliography

- Asif Hamayun, Geeli Lakrian Jallany Ke Din.
- Riaz Ahmed, Asif Hamayun Her Peihar Ka Asman (Lahore: Ifat Publication, 2013)
- Riaz Ahmed, Asif Hamayun Shaksyat Aur Fun, Maqala M. Phil (Urdu) (Lahore: Minhaj)

